صوبہ سرحد میں اُردو ادب

(پس منظر و پیش منظر)

گوہر رحمان نوید

احمد حسین مجاہد کا تعلق اسی اجڑے ہوئے دیار سے ہے جس کو آٹھ اکتوبر کے زلزلے میں فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا ہے۔ بالا کوٹ کا ہنستا بستا شہر جو آج صفحۂ خاک نظر آتا ہے اس میں احمد حسین مجاہد ۲۲ اگست ۱۹۵۹ء کو پیدا ہوئے۔ ایک شعری مجموعہ ''دھند میں لپٹا جنگل'' ۱۹۹۷ء میں منظر عام پر آ کر اہل نظر سے داد و تحسین سمیٹ چکا ہے۔ ان کی غزل میں وقت کی راگنی اپنے دھیمے سروں کے ساتھ انسان کے اندر سوئی ہوئی انسانیت جگاتی ہے اور جذبات کو بھی مہمیز کرتی ہے۔ ایسا مضمون جو کسی نے شعر میں بیان تو کیا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آیا ہو اسے احمد حسین مجاہد پوری رمزیت و ایمائیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں

مصرف نکل ہی آتا ہے بے کار چیز کا
لاتا ہوں بھیک باپ کی پگڑی میں ڈال کر

سر پر بنا لیا ہے پرندے نے گھونسلا
غافل میں خود سے ایسا ترے دھیان میں ہوا

ہماری غزل کی روایت میں اکثر شعرا اپنے محبوب کے عشق میں ایسے رسوا ہوئے کہ اپنی عزت سادات تک داؤ پر لگا آئے اور پھر اپنی آشفتہ سری کے لیے کسی سنگ مداوا کی تلاش میں عمر بھر سرگرداں رہے لیکن دوسری طرف مجاہد کا عشق ہے جو تمام کلاسیکی حوالوں کے باوجود اپنے اندر کئی طرح کی توانائیاں رکھتا ہے۔ جبھی تو وہ فرماتے ہیں ۔

میں گھر سے دور تھا، تنہا تھا، بے سہارا تھا
مجھے کسی نے بہت دور سے پکارا تھا

میری ناکام محبت تھی وہ لیکن اس نے
مجھ کو مرنے سے بہرحال بچایا ہوا تھا

ان کے ہاں عشق، مجازی اور حقیقی کے مباحث سے نکل کر ایک ایسے مدار میں پہنچتا ہے جہاں اسے صرف چھو لینے اور محسوس کرنے میں ہی سرور و کیف ملتا ہے اور یہ ایک ایسی لذت جاوید ہے جو ہمارے ہاں کی شاعری میں خال خال ہی نظر آتی ہے۔ دوسرے شعرا جب طول شب فراق میں پڑ کر غم دوراں سے شراب کشید کر کے غم جاناں کے دکھ کا مداوا کرتے رہے وہاں یہ بجیلا شاعر اس طرح کے اشعار تخلیق کرتا رہا۔

کوئی بہت ہی پرانا حساب ہے جس کو
چکا رہا ہے وہ مجھ سے بہت وفا کر کے

ان کے ہاں بالغ نظر شاعری کا فنکارانہ احساس پورے سیاق وسباق کے ساتھ موجود ہے۔ لمحات رفتہ وگذشتہ کے علاوہ دور حاضر کے سارے دکھ اور سکھ کو انہوں نے بہت ہی جمال وجلال کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان پر محاکات کی ایسی فسوں کاری کی ہے کہ ہر منظر دھند میں لپٹا ہوا ہونے کے باوجود ستھرا پاکیزہ اور صاف طور پر نظر آتا ہے۔ لمحہ موجود کی منافقانہ روش ہر طرف پھیلی ہوئی گہری اداسی اور ذہنی وفکری ناآسودگی کے آسیب نے جس طرح ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے ان کے خلاف ایک مجاہدانہ ردعمل بھی ان کے اشعار سے عیاں ہے۔ ان میں جب اندر کے زلزلوں کا اضافہ ہوتا ہے تو روح میں کیسی دراڑیں پڑتی ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

اندر کے زلزلوں سے دراڑیں سی پڑ گئیں
کب تک رکھیں بدن کی عمارت سنبھال کے (۸۱)

خود آگہی کا گزرا ہے مجھ پر وہ حادثہ
سکتے میں ہیں ہر ایک سے میرے تعلقات

آتش نے شاعر کے نئے نقشے نرالی صورتیں ایجاد کرنے کے بارے میں کہا تھا جبکہ مجاہد ان میں نرالی زمینوں اور بندشوں کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔ انہوں نے شعر کے اجزائے ترکیبی کا خاص خیال رکھا ہے اس لیے تعقید لفظی کا خطاوار ہوتا ہے نہ رطب ویابس کا سزاوار۔

دیئے دھرے کے دھرے رہ گئے منڈیروں پر
طلسم شب کے کنویں میں اُتر گئی آہٹ

احمد گناہگار ہوں میں بے یقین نہیں
دیکھے ہیں اپنے شانوں پر اکثر خدا کے ہاتھ

{احمد حسین مجاہد کی سمت مند غزل صوبہ سرحد کی غزل کے افق پر طلوع ہونے والے اس درخشاں ستارے کی مانند ہے جس کی جگمگ آنے والے زمانوں میں اپنی اہمیت وانفرادیت کے نئے اجالے بکھیرے گی اور ظلمت شب کے درماندہ قافلہ اس سے مستفید ہوں گے۔}

ان کی شاعری کے بارے میں افتخار مغل اپنے ایک مضمون ''تازہ برف پر پھیلی دھوپ سی

شاعری'' میں لکھتے ہیں۔

''اچھی شاعری کے لیے سب کچھ نیا ہونا ناقابل فہم ہے لیکن کچھ کچھ تو نیا ہونا چاہیے۔ مجاہد نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ ان کی شاعری میں تازہ کاری کا اجلا پن اس طرح موجود ہے جس طرح بجلی کے تاروں میں برقی رو ہر جگہ ہر وقت موجود ہوتی ہے۔ لیکن یہ رو ایسی خوشگوار ہے کہ تار کا چھلکا اتار کر محسوس کرنے والے کو نامانوسیت کا جھٹکا نہیں لگتا ایک مانوس سی گدگدی ہوتی ہے جو روح کو شانت کر دیتی ہے۔ یہ تازہ کاری بیشتر مضمون آفرینی اور بسا اوقات نئی تلازمہ سازی کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ میرا خیال ہے مجاہد کی شاعری کا حسن اور اس کی انفرادیت انہی دو خوبیوں سے ہے''۔ (۸۲)